AL-MISBAH RESEARCH JOURNAL

Al-Misbah, **Vol. 3, No. 1**(2023),35-44
https://almisbah.info/

# روایات سیرت میں اختلاف کا تطبیقی وترجیحی جائزہ "الرّحیق المختوم" کے تناظر میں

# *THE PREFERENTIAL ANALYSIS OF THE DISSENTIONS IN TRADITIONS OF PROPHET MUHAMMAD'S SAW LIFE IN "PERSPECTIVE OF "AL RAHEEQ AL MAKHTOOM*

*Nosheen Riaz
** Kamran

## ABSTRACT

*The life of Prophet Muhammad (saw) is profound and vast subject. It has always been the center of attention for scholars whether Muslim researchers or even for the orientalists. It is nearly impossible to chart the work done on the life of Prophet Muhammad (saw). Every biographer has studied and presented different aspects of the life of Muhammad (saw) in a new perspective. This subject has been penned down in almost every language on the planet. Since the biography of the prophet is dependent on traditions and imitation, dissension is natural to occur in this regard. On this dissent in traditions regarding the aforementioned subject, a lot of scholars have worked for conformity and preference in the traditions. Every author has tried to avoid this dissent. In urdu biographical literature Maulana Safi ur Rahman's book "Al Raheeq al Makhtoom" is a fundamental book in which he has analyzed these dissents and has established conformity and preference in it. In this Research article, these dissents in the traditions regarding Muhammad's life will be analyzed in "Al Raheeq ul malhtoom" perspective.*

**Keywords:** Seerah, Contradiction, Islamic Traditions, Al Raheeq Ul Makhtoom, Safi Ur Rahman.

## تمہید:

سیرۃ النبی ﷺ کا موضوع ایک وسیع اور عمیق موضوع ہے جو ہمیشہ سے محققین خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم مستشرقین، کی علمی تگ وتاز کا مرکز رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیّبہ پر اتنا لٹریچر لکھا گیا ہے جس کا شمار نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور ہر سیرت نگار نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی مختلف پہلوؤں کی کھوج لگا کر اسے ایک نئے انداز اور اسلوب میں مطالعہ کیا۔ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں سیرت پر کام ہوا ہے۔ پھر چوں کہ سیرت کا دارومدار روایت اور نقل پر ہے، اور روایت اور نقل میں اختلاف کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ روایات سیرت میں اس اختلاف کے تطبیق یا ترجیح پر مختلف اہل علم نے کام کیا ہے، اور ہر مصنف نے اپنے نقطہ نظر سے اس اختلاف کو رفع کیا ہے۔ اردو ادبیات سیرت میں مولانا صفی الرحمان مبارکپوری کی کتاب "الرحیق المختوم" ایک اساسی کتاب ہے، جس میں مصنف نے اپنے انداز میں ان اختلافات کا جائزہ لے کر ان میں تطبیق وترجیح قائم کی ہے۔ زیر نظر تحقیقی مضمون میں سیرت کی ان اختلافی روایات کا تطبیقی اور ترجیحی جائزہ اسی کتاب "الرحیق المختوم" کے تناظر میں لیا گیا ہے۔

* M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan.
** M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

**سابقہ تحقیقات کا جائزہ:**

روایت سیرت میں اختلاف کی صورت میں تطبیق یا ترجیح میں متنوع پہلوؤں سے کام ہوا ہے، جن میں مختلف کتابوں یا مصنفین کے مناہج کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ جیسے "روایات جمع و تدوین قرآن کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ: مقالہ نگار حافظ عبد القیوم، شعبہ عربی، یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور۔[1]

اسی طرح "سیرت نگاری میں اصولِ درایت کے استعمال کا تحقیقی جائزہ۔ مقالہ نگار عطاء اللہ، نگران تحقیق ڈاکٹر حافظ عبد الغفور، شعبہ مطالعات سیرت، یونیورسٹی آف پشاور، سن تکمیل:۲۰۱۳ء[2]

لیکن تاحال اس کتاب "الرّحیق المختوم" کے منہج کے اصول کو مد نظر رکھ کر روایات سیرت میں تطبیق اور ترجیح پر تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ اس لیے اسکالرز نے اس تحقیقی کاوش کی افادیت کو مد نظر رکھ کر اس پر کام کیا۔

## ا۔ وحی کے آغاز کے مہینے، تاریخ اور دن کے حوالے سے مختلف اقوال میں ترجیح اور تطبیق:

قرآن مجید کا نزول کس مہینہ میں ہوا۔ اس حوالے سے اہل سیر میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض اہل سِیَر اس کو ربیع الاوّل کو وحی کے نزول کا مہینہ کہتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں حضور ﷺ کو نبوّت سے سرفراز کیا گیا۔ چنانچہ اس حوالے سے مؤلف الرحیق المختوم لکھتے ہیں:

> "مؤرخین میں بڑا اختلاف ہے کہ جناب نبی کریمؐ کو کس مہینے میں نبوّت اور وحی کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ اہل سیر میں سے زیادہ کا اتفاق اس پر ہے کہ یہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔[3] ہم دوسرے قول کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ کیونکہ قرآن کریم میں فرماتے ہے: اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ "ماہ رمضان المبارک ہی وہ برکت والا ماہ ہے جس میں قرآن کریم کا نزول ہوا"۔ اور یہ بات واضح ہے کہ قدر کی رات (لیلۃ القدر رمضان المبارک کے ماہ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح لیلۃ القدر کے حوالے سے ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ "ہم نے (یعنی قرآن کریم) کو ایک برکت والی رات میں نازل کیا۔ ہم لوگوں کو عذاب کے خطرے سے خبردار کرنے والے ہیں"۔ اسی طرح دوسری رائے کو راجح قرار دینے کا ایک سبب یہ بھی بنتا ہے کہ غارِ حرا میں نبی کریمؐ رمضان المبارک کے مہینے مہینے میں ہی ٹھہرتے تھے۔ اور اس بات کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جبرائیلؑ نبی کریمؐ پر وحی کے نزول کے لیے غار حراء ہی میں تشریف لائے تھے۔"[4]

مذکورہ بالا اقتباس میں صاحب کتاب نے نزول قرآن کا مہینہ رمضان کو ترجیح دے دیا، اور وجہ ترجیح کے لیے دلیل بھی ذکر کیا۔ پھر جو اہل علم رمضان المبارک کے مہینے میں وحی کے نزول کے حق میں ہے پھر ان میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس دوران رمضان المبارک کے مہینے کی کون سی تاریخ تھی کہ جس میں پہلی وحی کا نزول ہوا۔ بعض اہل سیر رمضان کے ۷ تاریخ کو، بعض ۷ اور بعض رمضان کے ۱۸ تاریخ کو پہلی وحی کے نزول کی تاریخ بتاتے ہیں۔ تاریخ التشریع الاسلامی کے مصنف علامہ محمد الخضری بھی اس کے قائل ہے کہ رمضان کے مہینے کی ۱۷ تاریخ تھی۔[5] لیکن مصنف نے ۲۱ رمضان کی تاریخ کو راجح قرار دیا، جو کہ مصنف کے نزدیک ابداعی قول ہے، ذیل میں عبارت ملاحظہ ہو:

> "میں نے رمضان المبارک کے اکیس (۲۱) تاریخ کو راجح قرار دیا ہے۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی قائل نظر نہیں آیا۔ کہ کثیر تعداد میں اہل سِیَر کا خیال ہے کہ آپ کو دوشنبہ کے دن نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور اس کی تائید حضرت

ابو قتادہؓ کی نقل کردہ روایت کہ جناب نبی کریمؐ سے پیر کے دن کے روزے کے حوالے سے سوال کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ یوم ہے کہ جس کو میں پیدا ہوا اور جسمیں مجھے نبوّت سے سرفراز کیا گیا۔ اور اس سال رمضان المبارک میں پیر کا دن سات، چودہ، اکیس، اور اٹھائیس تاریخوں کو واقع ہوا تھا۔ اِدھر صحیح روایات کی روشنی میں یہ بات واضح اور منقح ہے کہ قدر کی شب رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں واقع ہوتی ہے، اور ان ہی طاق راتوں میں ایک دوسرے میں بدلتی رہتی ہیں۔ تو اَب اگر غور کیا جائے کہ رب کائنات کا یہ فرمان کہ کہ "ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر کو نازل کیا" اور دوسری طرف ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ جناب نبی کریمؐ کو دوشنبہ کے دن نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ تیسری طرف اگر کلینڈر یا تقویم کے حساب پر نظر ڈالی جائے کہ اس سال، رمضان کے مہینے میں پیر (دوشنبہ) کا دن کا وقوع کونسے دنوں میں ہوا تھا۔ تو یہ بات واضح اور متعین ہو جاتی ہے کہ نبی کریمؐ کو رمضان المبارک کے ۲۱ ویں رات کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اسی لیے یہ ہی وحی کے نزول کی پہلی تاریخ تھی۔"[٦]

## ۲۔ وحی کی بندش کی مدّت میں اختلاف:

اسی طرح جب وحی کا سلسلہ شروع ہوا، تو اس کے بعد اس میں انقطاع آگیا، اس انقطاع کی مدت میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔ تو اس حوالے سے علامہ ابن سعدؒ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ وحی کی یہ بندش صرف چند دنوں تک محدود تھی۔ اور تحقیق کے بعد صاحب کتاب بھی اس قول کو راجح قرار دیتے ہیں کہ وحی کی یہ بندش چند دنوں کے لیے تھی۔ اور جو یہ مشہور روایت وحی کی بندش کے سلسلے میں ہے کی وحی تین سال یا اس سے کم و بیش مدت کے لیے بند رہی تو قطعا صحیح نہیں۔ وحی کے بندش کے دنوں میں حضور کریمؐ نہایت غمگین اور پریشانی کی حالت میں رہتے تھے اور آپ پر حیرت کے اثرات نمایاں تھے۔ اسی حوالے سے بخاری کی روایت میں ہے کہ:

"وَفَتَرَ الوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فِيمَا بَلَغَنَا، حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُءُوسِ شَوَاهِقِ الجِبَالِ، فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا، فَيَسْكُنُ لِذَلِكَ جَأْشُهُ، وَتَقِرُّ نَفْسُهُ، فَيَرْجِعُ، فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الوَحْيِ غَدَا لِمِثْلِ ذَلِكَ، فَإِذَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ"[٧]

"جب وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس طرح غمگین ہوتے کہ کئی مرتبہ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر تشریف لے جاتے کہ وہاں سے اپنے آپ کو لڑھکالیں لیکن جب پہاڑ کی چوٹی کے قریب جاتے تو جبرائیلؑ تشریف لاتے اور آپؐ سے فرماتے کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول برحق ہیں"۔ اور کی وجہ سے آپؐ کی پریشانی اور اضطراب میں کمی آجاتی۔ تھوڑا قرار پاتے اور واپس گھر کو تشریف لاتے۔ پھر جب حضورؐ پر وحی کی بندش کا سلسلہ طویل ہوتا تو پھر آپ اسی طرح کام کے لیے جاتے لیکن جبرائیلؑ تشریف لاکر پھر وہی بات دہراتے چلے جاتے"

اس روایت کی توضیح و تشریح کے حوالے سے حافظ ابن حجرؒ قمراز ہیں کہ:

"انقطاع وحی کا سلسلہ اس لیے تھا تاکہ حضور ﷺ پر جو خوف کی حالت طاری ہو گئی تھی اور ختم ہو جائے اور آپؐ کو پھر دوبارہ وحی آنے کا لُطف اور شوق پیدا ہو جائے"[٨]

تو جب پریشانی اور حیرت اور خوف کا وہ سما ختم ہوا۔ اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے نبی و پیغمبر ہو چکے ہیں اور آپؐ کے پاس جو شخص تشریف لایا تھا وہ وہی اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تھا جو انبیاء کرامؑ کو اللہ تعالیٰ کا پیغامات لاتا تھا تو پھر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا شوق اور اضطراب اس بات کا امین ہو گیا کہ آئندہ وحی کی آمد پر حضورؐ ثابت قدم رہیں گے اور اس بھاری ذمہ داری کے بوجھ کو اُٹھالیں تو پھر جبرائیلؑ دوبارہ وحی لے کر آئیں۔

الصحیح البخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ایک جگہ روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی زبان سے وحی کی بندش کے حوالے سے واقعہ سنا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرما رہے تھے کہ:

"افَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي اسَمِعْتُ اصَوْتًا امِنَ االسَّمَاءِ، افَرَفَعْتُ ابَصَرِي اقِبَلَ االسَّمَاءِ، افَإِذَا االْمَلَكُ االَّذِي اجَاءَنِي ابِحِرَاءٍ اقَاعِدٌ اعَلَى اكُرْسِيٍّ ابَيْنَ االسَّمَاءِ اوَالأَرْضِ، افَجَئِثْتُ امِنْهُ احَتَّى اهَوَيْتُ إِلَى االأَرْضِ، افَجِئْتُ أَهْلِي افَقُلْتُ: ازَمِّلُونِي ازَمِّلُونِي افَزَمَّلُونِي، افَأَنْزَلَ االلَّهُ اتَعَالَى: ا{يَا أَيُّهَا االْمُدَّثِّرُ اقُمْ افَأَنْذِرْ} اإِلَى اقَوْلِهِ ا{فَاهْجُرْ}"[9،10]

"میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک دم اچانک سے آواز سُنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو وہ ہی فرشتہ جو پہلے میرے پاس یعنی غارِ حراء میں وحی لے کر آیا تھا، آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ اور میں اسکی خَوف سے خوفزدہ ہو کر زمین پر جُھکا۔ پھر میں نے اپنے گھر جا کر اہل خانہ سے کہا کہ زملونی زملونی۔ یعنی مجھے کمبل اُوڑھا دو، مجھے کمبل اُوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے کمبل اُوڑھا دی۔ اس کے بعد (یآیھا المدثِر۔۔۔والرجز فاھجر) تک آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور پے درپے وحی نازل ہونے لگی"۔

اس روایت کے تناظر میں مصنف اپنے قول کی ترجیح یوں بیان کرتے ہیں:"

" اسی روایت کے اور بعض طرق کے شروع میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: میں نے غارِ حرا میں اعتکاف کیا۔ اور جب اعتکاف پورا ہوا تو میں نیچے اُترا۔ اور پھر جب بطن وادی سے گذر رہا تھا تو مجھے آواز دی گئی۔ میں نے چاروں جانب دیکھا نگاہ ڈالی لیکن کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ اور پھر جب اوپر کی جانب دیکھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ہی فرشتہ۔۔۔ الخ۔ تمام سیرت نگاروں کے مجموعوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضورؐ نے تین سال غارِ حرا میں اعتکاف فرمایا تھا۔ اور وحی کے نازل ہونے یعنی نبوت سے سرفرازی والا رمضان آخری رمضان تھا۔ اور حضورؐ کا معمول تھا کہ آپؐ اعتکاف مکمل کر کے شوّال کی پہلی تاریخ کو صبح سویرے مکہ تشریف لاتے۔ اور ذکر کیے گئے روایت کو جوڑنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ والی وحی کے ۱۰ دن بعد یعنی شوّال کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئی تھی۔ یعنی فترۃ الوحی کی کا کُل زمانہ یا مدت صرف ۱۰ دن تھی"۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے مصنف کا موقف واضح ہو گیا، کہ وہ فترۃ الوحی کی مدت کو دس دن مانتے ہیں، اور اس کے علاوہ اقوال کی تضعیف کرتے ہیں۔

### ۳۔ شعب ابی طالب کے صحیفہ چاک کیا جانے کا واقعہ:

نبوت کے ساتویں سال جب مشرکین مکہ ہر طرح کے ظلم مسلمانوں پر ڈھانے سے تھک گئے۔ تو آخر کار رسول کریمؐ آپؐ کے سارے خاندان سے سوشل بائیکاٹ کا ایک معاہدہ کر لیا۔ جو کہ تین سال تک جاری رہا۔ مصنّف الرّحیق المختوم اس واقعے کے خاتمے کے مہینے کو محرّم ۱۰ نبوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"جناب ابو طالب کی وفات صحیفہ چاک کیے جانے کے ٦ ماہ بعد ہوئی۔ اور صحیح قول کے مطابق ان کا انتقال رجب کے ماہ میں ہوئی تھی۔ اور جو اہل علم ان کی وفات کو رمضان کے مہینے میں صحیح قرار دیتے ہیں اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کی وفات صحیفہ چاک کیے جانے کے ٦ مہینے بعد نہیں بلکہ ۸ مہیننے اور چند روز بعد ہوئی تھیں۔ دونوں صورتوں اور اعتبارات سے اگر غور کیا جائے تو وہ مہینہ جس میں صحیفہ چاک کیا گیا، محرّم ثابت ہوتا ہے۔"[۱۲]

### ۴۔ ابو طالب کی وفات:

حضورؐ کے پیارے چچا جناب ابو طالب کی وفات شعب ابی طالب میں سے سوشل بائیکاٹ کے خاتمے کے بعد کب ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے، بعض اہل سیر کے نزدیک رمضان کے مہینہ میں ہوئی تھی، اور بعض کے نزدیک ۱۰ رجب نبوی کو ہوئی تھی۔ چنانچہ مصنّف اِن دونوں اقوال کے ذکر بعد قول راجح کی تعیین یوں کرتے ہیں:

" مآخذ سیرت میں اس سلسے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ جناب ابو طالب کی وفات کس ماہ میں ہوئی۔ ہم نے رجب کے مہینے کو اس لیے راجح قرار دیا ہے کہ اکثر اور بیشتر مآخذ اس پر متفق ہیں کہ ان کی وفات شعب ابی طالب کے سوشل بائیکاٹ کے ٦ مہینے بعد ہوئی تھی۔ چونکہ شعب ابی طالب میں محصوری کا آغاز نبوت کے ساتویں سال چاند رات ہوا تھا۔ اس حساب سے ان کی وفات کا زمانہ نبوت کے دسویں سال رجب کا مہینہ ہی آتا ہے"۔[۱۳]

مذکورہ بالا اقتباس میں وفات ابی طالب کی تاریخ مصنف کے نزدیک ۱۰ رجب نبوی ہے، اور اسی کو وہ راجح سمجھتے ہیں۔

### ۵۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اوّلیت بیعت کا شرف

ہر سال یثرب سے مشرکین مکہ مکرمہ کو حج کے لیے جاتے تھے۔ نبوّت کے ۱۳ویں سال یثرب سے تقریباً ستر (۷۰) افراد حج کے فریضہ کو ادا کرنے کے لیے مکۃ المکرمہ تشریف لائیں۔ اور ابھی یثرب سے مکہ کی طرف راستے میں ہی تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے کہ ہم کب تک حضورؐ کو یوں ہی مکّے کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، اور ٹھوکریں کھاتے اور خوف زدہ رکھیں چھوڑیں گے؟۔ لہٰذا اس موقع پر جو بیعت ہوئی اس کو بیعت عقبہ ثانی کا نام دیا جاتا ہے۔ اب اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سے سب سے پہلے کس نے بیعت کی تو اس میں اختلاف ہے۔ اسی سلسلے میں علامہ ابن ہشام روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو النجار کہتے ہیں کہ ابو امامہ اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ بیعت ثانیہ کے موقع پر سب سے پہلے وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے آپ ﷺ سے ہاتھ ملانے کا شرف حاصل کیا، علامہ ابن اسحاق کا یہ بھی بیان ہے کہ: بنو عبد الاشہل روایت کرتے ہے کہ سب سے بیعت کرنے والے ابو الہیثم بن تیہان تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ برا ابن معرور رضی اللہ عنہ بن مرور رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔"[۱۴] پھر اسکے بعد بیعتِ عام شروع ہوئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک ایک کر کے اُٹھتے تھے، اور حضور ﷺ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے بدلے جنّت کی خوش خبری سنائی سُنائی۔ صفی الرحمان مبارک پوری نے ان اقوال میں تطبیق یوں دی ہے:

**تطبیق:**

"مصنف کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے کہ قبل از بیعت نبی ﷺ سے حضرت ابو الہیثم اور براءؓ کی جو بات چیت ہوئی تھی تو وہاں پر موجود لوگوں نے اس کو بیعت قرار دیا ہو۔ ورنہ اس بیعَت کے لیے سب سے زیادہ بڑھائے جانے کے سب سے زیادہ حق دار حضرت اسعد رضی اللہ عنہ بن زرارہ ہی تھے۔"[15]

## ۶۔ ہجرت کے موقع پر گھر سے غار تک کا سفر:۔

رسول اللہ ﷺ ۲۷ صفر سن چودہ نبوی بمطابق ۱۲۔۱۳ ماہ ستمبر ۶۲۲ء کے درمیان والی رات کو اپنے مکان سے نکل کر سب سے زیادہ قریبی دوست جناب ابو بکّر صدیقؓ کے مکان کو تشریف لے گئے تھے۔ اور پھر وہاں پیچھے کی طرف سے کھڑکی یا ایک دروازے سے دونوں دوست باہر کی طرف روانہ ہوئے۔ تاکہ مکہ مکرمہ سے جلدی جلدی فجر کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے نکل جائیں۔ چنانچہ صفر ۱۴ نبوّت کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ:

"جب سن کا آغاز محرّم الحرام کے ماہ سے مانا جائے گا تو تب صفر کا یہ مہینہ چودھویں سن نبوت کا ہو گا۔ اور اگر سن کا آغاز اسی مہینے سے مانا جائے جسمیں حضورؐ کو نبوّت عطا کی گئی، تو پھر صَفر کا یہ مہینہ یقیناً ۱۳ ویں سن نبوّت کا ہو گا۔ اہل سِیر حضرات نے کہیں پر پہلے والے حساب کو ترجیح دی اور اسے اختیار کیا ہے۔ تو کہیں دوسرے کو۔ جسکی سبب سے وہ واقعات اور روایات کی ترتیب میں خطاء کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہم نے سَن کی شروعات کو محرّم کے مہینے سے مانا ہے۔"[16]

## ۷۔ قباء میں تشریف آوری کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر:

پیر کے دن آٹھ (۸) ربیع الاوّل چودہ نبوی بمطابق تئیس (۲۳) ستمبر کو چھ سو بائیس (۶۲۲ء) سن عیسوی کو حضور کریمؐ قباء میں تشریف لے گئے۔ جناب عُروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کے مدینہ کے مسلمانوں نے مکہ سے حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر سن رکھی تھی۔ اسی وجہ سے مدینہ کے لوگ صبح کے وقت مقام حرہ کی طرف نکلتے تھے اور حضور ﷺ کی راہ دیکھتے۔ اور جب کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد سورج کی تپش زیادہ ہو جاتی تو واپس مدینہ کی طرف چلے آتے۔ ایک روز اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں لوگ نکلے اور کافی انتظار کر کے اپنے گھروں کی طرف کو واپس پہنچنے والے تھے کہ کہ ایک یَہودی کچھ دیکھنے کے لیے ٹیلے پر چڑھا ہوا تھا۔ کہ اُس نے کچھ اُس نے حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سفید کپڑوں میں مدینہ کی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے جوش میں بے خودی آکر کہا کہ: "اے! عرب کے لوگوں! یہ ہے رہا تمھارا وہ قسمت اور نصیب جسکے انتظار میں تم تھے"۔ یہ سُنتے ہی مسلمانوں نے خوشی سے ہتھیاروں کی طرف دوڑ لگائی۔[17]

اس وقت نبی کریمؐ کی عمر کے بارے میں مصنف الرّحیق المختوم رقم طراز ہیں کہ:

"جس دن رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے اس وقت آپؐ کی عمر مبارک کسی کمی بیشی کے بغیر صرف ۵۳ سال ہو گئی تھی، اور جو اہل سیر حضورؐ کی نبوّت کے شروعات کو نو (۹) ربیع الاوّل عام الفیل کے سال سے شمار کرتے ہیں اُن کے مُطابق حضور ﷺ کی نبوت کو ٹھیک ۱۳ سال مکمل ہو چکے تھے۔ البتہ وہ حضرات جو رمضان امبارک اکتالیس (۴۱) عام الفیل کو رسول اللہؐ کی نبوت کے آغاز کو مانتے ہیں ان کے مطابق ۱۲ سال ۵ ماہ اور ۱۸ دن یا ۲۲ دن ہوئے تھے"۔[18]

## ۸۔ قباء میں قیام کے بارے میں مختلف روایات میں تطبیق:۔

جناب نبی کریم ﷺ نے مسجد قباء میں کل ۴ دن یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات یا ۱۰ روز ایام فرمایا۔ اور اسی وقت حضورؐ نے اس مسجد کے بنیاد کو بھی رکھا، رسول اللہؐ کو نبوت ملنے کے بعد اوّلین مسجد کا شرف اسی مسجد کو حاصل ہے۔ اس میں رسول اللہؐ نے نماز بھی ادا کی۔ ۵ ویں دن یا ۱۲ ویں دن جمعہ کے روز رسول اللہؐ اللہ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ سوار ہوئے۔ رسول اللہؐ نے اپنے ماموؤں کے قبیلے بنو النجار کو پہلے سے اطلاع بھیجی تھی۔ اس لیے وہ تلواروں کے ساتھ حاضر تھے۔ رسول اللہؐ ان کے ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو بنو سالم بن عوف کی آبادی کے جب قریب پہنچے تو جمعہ کے نماز کا وقت آگیا۔ تو آپؐ نے وہاں جمعہ پڑھایا۔ اس وہاں مسجد اور سو (۱۰۰) آدمی تھے۔[۱۹]

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔[۲۰] اسی کو علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔[۲۱]

"لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپؐ مسجد قباء میں چوبیس رات ٹھہرے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک روایت میں ۱۰ دن سے کچھ زیادہ اور ایک اور تیسری روایت میں ۱۴ لیل قیام بتایا گیا ہے۔[۲۲] علامہ ابن قیم نے خواس پچھلے والے روایت کو اختیار کیا ہے۔۔ لیکن پھر علامہ صاحب اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ کہ حضورؐ قبا کو پیر کے دن تشریف لے گئے تھے، اور پھر وہاں سے جمعہ کے دن روانہ ہو گئے تھے"[۲۳]۔ اور یہ واضح ہے کہ اگر پیر اور جمعہ کے دن کو دو جُدا اور اَلگ اَلگ ہفتوں کا شمار کر لیں تو پہنچنے اور روانہ ہونے کے دن کے علاوہ ساری مُدت ۱۰ دن بنتی ہے۔ اور اگر پہنچنے اور روانگی کے دنوں کو شمار کر لیا جائے تو پھر کُل مدت بارہ (۱۲) بن جاتی ہے"[۲۴]۔ اسی لیے ساری مدت چودہ (۱۴) دن کیسے ہو سکتی ہے۔ یعنی کُل مدت چودہ دن دُرست نہیں"۔

اسی لیے ساری مدّت چودہ (۱۴) دن کیسے ہو سکتی ہے۔ یعنی کل مدت چودہ دن درست نہیں۔"

خلاصہ یہ کہ مصنف نے ۱۲ دن کی مدت کو قول راجح قرار دیا ہے۔

## ۹۔ غزوہ بحران کا سبب:

یہ ایک بڑی فوجیوں کا حفاظتی ٹولہ تھا، ان کی تعداد ۳۰۰ تھی۔ اس فوجی دستے کو لے کر جناب نبی کریمؐ ربیع الثانی تین ھجری کے مہینے میں بحران نام کے ایک علاقے کی طرف تشریف لے چلے تھے۔ یہ حجاز مقدس کے مختلف علاقوں میں سے ایک علاقے کا نام ہے۔۔ آپؐ نے جمادی الاولی اور اور ربیع الآخر دو مہینے وہاں قیام کیا۔ اس بعد پھر مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ اس میں کسی قسم کی جنگ اور لڑائی کا موقع پیش نہ آیا۔[۲۵]

"اس غزوہ بحران کے اسباب کے تعیین میں مختلف اسباب پائے جاتے ہیں۔ پہلا سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں یہ خبر آپہنچی تھی بنو سلیم کا قبیلہ مدینۃ المنورہ اس اس کے آس پاس کے علاقوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑی زور و شور سے تیاریاں کر رہا ہے۔ اور یہ سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ قریش کے کسی قافلے کی تلاش میں اُن پر حملے کے لیے نکلے تھے۔ علامہ ابن قیم اور ابن ہشام نے اسی سبب کو اختیار کیا ہے، اور پہلے سبب کو زیر بحث ہی نہیں لایا ہے۔ چنانچہ یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ قبیلہ بنو سلیم نجد میں آباد تھے فرع میں آباد نہیں تھے۔ اور نجد فرع سے بہت زیادہ دور ہے"۔[۲۶]

## ۱۰۔ غزوۂ بنی المصطلق یا غزوۂ مریسیع پانچ یا چھ ہجری کے وقوع میں مختلف روایات میں تطبیق:۔

غزوۂ بنی المصطلق یا مریسیع سیرت نگاروں کے قول کے مطابق ماہ شعبان پانچ (۵) یا چھ (۶) ھجری میں پیش آیا۔ اور اس پر دلیل کے طور پر واقعہ اِفک غزوہ سے واپسی پر پیش آیا دی جاتی ہے۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مسلمان عورتوں کے لیے پردے کے حکم کے نازل ہونے اور حضرت زینب رضی اللہ عنھا کی حضورؐ سے شادی کے بعد رونما ہوا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنھا کی شادی ذی قعدہ یا ذی الحجہ پانچ ھ کے آخر انجام پائی تھی اور اس پر سب اہل سیر متفق ہیں کہ یہ غزوۂ شعبان المعظم کی ماہ میں رونما ہوا تھا، اس لیے یہ شعبان پانچ ھجری کا نہیں ہوگا بلکہ چھ ھجری کے شعبان کا ماہ ہو سکتا ہے، اور دوسری جانب جو لوگ اِس غزوۂ بنی المصطلق کے زمانے کو پانچ ھجری کو بیان کرتے ہیں تو وہ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ واقعہ اِفک میں افک کے اصحاب کے حوالے سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے مابین کلام میں سختی کا ذکر ملتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پانچ ہجری کے آخر میں بنو قریظہ کے غزوۂ کے بعد انتقال فرما گئے تھے۔ اسی وجہ سے افک کے واقعہ کے وقت ان کی موجودگی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ واقعہ چھ ہجری میں نہیں بلکہ پانچ ہجری میں پیش آیا۔

پھر اس کا جواب پہلا فریق یہ دیتا ہے کہ واقعہ افک کے حدیث میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر راوی کا وہم ہے۔ کیونکہ ایک اور جگہ بالکل یہ ہی حدیث حضرت عائشہؓ سے امام زہری کے سند سے عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ عن عائشہ رضی اللہ عنھا نقل کیا ہے۔ تو اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ بیشک یہ ہی درست ہے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ذکر کو وہم قرار دیتے ہیں۔[۲۷]

> " مصنف لکھتے ہیں کہ پہلے فریق کا استدلال کافی وزن کا حامل ہے اور اسی لئے ابتدا میں ہم بھی اس کے ساتھ متفق تھے۔ مگر اگر غور و حوض کیا جائے تو اس استدلال کا مین پوائنٹ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنھا کی شادی پانچ ہجری کے آخر میں ہوئی تھی۔ اور اس پر چند قرائن کے علاوہ کو مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔ جبکہ دوسری طرف اِفک کے واقعے میں سعد بن معاذؓ کی موجودگی مختلف صحیح روایات سے واضح اور ثابت ہے۔ جن کو وہم نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لیے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی حضرت زینبؓ سے نکاح پانچ ہجری کے اوائل میں ہوا ہو۔ اور غزسہ بنی المصطلق اور واقعہ افک شعبان پانچ (۵) ھجری میں پیش آیا ہو۔"[۲۸]

## ۱۱۔ برادرانِ قریش کے قبول اسلام کی تاریخ میں اختلاف:۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے بعدے ہجری کے شروعات میں حضرت خالد بن ولیدؓ، عمر بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنھما اسلام میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مکۃ مکرمہ نے اپنے جگر گوشوں (دل کے ٹکڑوں) کو ہمارے حوالے کیا ہے۔

اب اس بارے میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کس سن میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ فن اسماء الرجال کی عام کتابوں نے اس کو سن آٹھ ہجری کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ لیکن شاہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن العاصؓ کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ سات (۷) ہجری کا ہے۔ اور یہ بات بھی واضح اور معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ بن طلحہ اور حضرت خالدؓ اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جب حضرت عمرو بن العاصؓ حبشہ سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ کیوں کہ آپؓ نے حبشہ سے واپسی پر مدینہ

منورہ کا ارادہ فرمایا تھا۔ اور راستے میں ان دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور پھر تینوں حضرات نے مل کر دربار نبوی ﷺ میں حاضری دی اور اسلام قبول کر لیا۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات سات ہجری میں اسلام میں داخل ہوئے۔[۲۹]

## نتائج بحث

اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے پیش آئے:

۱-صاحب الرحیق المختوم کے نزدیک آغاز وحی کی تاریخ میں راجح قول ۲۱ رمضان المبارک ہے۔

۲-فترۃ الوحی کی مدت میں مصنف کے نزدیک راجح قول دس دن ہے۔

۳۔مصنف کے نزدیک وفات ابو طالب کی تاریخ میں راجح ۱۰ رجب نبوی ہے۔

۴-قباء میں قیام کی مدت مصنف نے ۱۲ دن والے کو قول راجح قرار دیا ہے۔

۵-برادرانِ قریش کے قبول اسلام کی تاریخ میں مصنف کے نزدیک راجح قول ۷ھ ہے۔

## تجاویز وسفارشات

اس بحث کے تناظر میں ذیل کے سفارشات پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔الرحیق المختوم کتاب کی از نو تخریج و تحقیق کی سفارش کی جاتی ہے۔

۲-الرحیق المختوم اور سیرت رحمۃ للعالمین (منصور پوری) کے تقابلی جائزہ کے عنوان سے تحقیقی مضمون کی سفارش کی جاتی ہے۔

۳-روایات سیرت میں اختلاف کا تطبیقی و ترجیحی جائزہ سیرۃ النبی ﷺ (شبلی نعمانی) کے تناظر میں عنوان سے تحقیقی مضمون کی سفارش کی جاتی ہے۔

## حواشی وحوالہ جات

---

[۱] ڈاکٹر سعید الرحمٰن، تحقیقات اسلامیات، طبع اول (العلم پبلی کیشنز، س ن) ص ۱۱۶

[۲] محولہ بالا، ص ۱۲۲

[۳] محمد بن عبد الوہاب، مختصر السیرۃ الرسول (لاہور، طارق اکیڈمی، س ن) ص ۷۵

[۴] صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، (لاہور: المکتبۃ السفیہ، س ن) ص: ۹۷

[۵] محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی، (قاہرہ: دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، س ن) ج۔ ص: ۶۹

[۶] صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص: ۹۸

[۷] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التعبیر (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، حدیث نمبر: ۶۹۸۲

[۸] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، (بیروت: دار المعرفۃ، س ن) ۱۲ / ۳۵۴

[۹] القرآن الکریم، سورۃ المدثر، آیت ۵

[۱۰] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۹۲۶

[۱۱] صفی الرحمان مبارک پوری، الرّحیق المختوم، ص ۱۰۲

[۱۲] ایضا ص: ۱۵۹

[۱۳] ایضاً ص: ۱۶۵

[۱۴] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ ابن ہشام، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن) ج ۱، ص ۴۴۷

[15] صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۲۱۵

[16] ایضاً، ص ۲۲۹

۱۷ صحیح بخاری، کتاب نبیؐ واصحابہ ہجرۃ المدینۃ، حدیث نمبر: ۳۹۰۶

[18] صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۲۳۸

[19] محمد بن سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن) ج ا، ص ۱۰۲

[20] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ ابن ہشام، ج ا، ص ۴۹۴

[21] محمد بن سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، ج ا، ص ۱۰۲

[22] محولہ بالا، ج ا، ص ۵۴۰

۲۳ محمد بن ابو بکر ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ) ج ۲، ص ۵۵، ۵۴

۲۴ صفی الرّحمان مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص ۲۴۰

[25] عبد الملک بن ہشام، السیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۵۰، ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۹۱

[26] صفی الرحمان مبارکپوری، الرّحیق المختوم، ص ۲۳۶

[27] ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، ج۔ ۲ ص: ۱۱۵

[28] صفی الرحمان مبارکپوری، الرّحیق المختوم، ص ۴۴۳

[29] محولہ بالا، ص ۴۷۴